Shams Ur Rehman Farooqi Ka Afsano Menh Lasani Tehzeeb

Rabia bibi PHD scholar Hazara university Mansehra

Abstract:

One of the virtues of Shams-ur –Rehman Farooqi,s fiction Is his language.The subject of his fiction is Meer taqi meer Mushafi and Ghalib and his covenant.He wrote these fictions Between 1998 and 2000.In these fictions, Shams- ur-Rehman Farooqi has shown the glory of the linguistic civilization of Delhi aur Lucknow.These myths show the linguistic splendor Of the people of this age.The myths give us the consciousness Of Urdu-e- mualla that has been a part of our linguistic Culture. Which our linguistic history will always be proud of.

شمس الرحمٰن فاروقی بابغہ روزگار شخصیت کے مالک تھے۔وہ ایک اچھے نقاد، محقق، لغت نگار،ایک اچھے شاعر،افسانہ اور ناول نگار تھے۔''شب خون'' جیسا جدیدیت کا رجحان ساز رسالہ چالیس سال تک ان کی سرپرستی میں کامیابی سے نکلتا رہا۔ویسے تو ان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں جو ان کے ذہین و فطین ہونے ان کے وسیع مشاہدے ان کے علم و ادب سے گہری وابستگی کو ظاہر کرتے ہیں لیکن اردو افسانے کی تاریخ میں ان کی کتاب ''سوار اور دوسرے افسانے'' ایک بہترین اضافہ ہے۔ویسے تو یہ مختصر سی کتاب ان کے پانچ افسانوں پر مشتمل ہے جو یکے بعد دیگرے ان کے رسالے ''شب خون'' میں فرضی ناموں سے ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۰ء کے درمیان شب خون میں چھپتے رہے ہیں جن کو بعد میں یکجا کر کے ''سوار اور دوسرے افسانے'' کے نام سے شائع کر دیا گیا ۔اس میں ''غالب افسانہ'، 'سوار'، 'ان صحبتوں میں آخر'، 'آفتاب زمین' اور 'لاہور کا ایک قلعہ ہیں۔جن میں میر، مصحفی اور غالب

جیسی شخصیات جو کے ہمارے اردو ادب کے معتبر نام ہیں ان کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا بلکہ ساتھ ہی انھوں نے ان افسانوں میں اس دور کی ہند ایرانی تہذیب و ثقافت اس دور کے سیاسی و سماجی حالات کو بھی بیان کیا ہے ان افسانوں کے ذریعے انھوں نے تہذیب و ثقافت اور تاریخ کے کچھ گمشدہ گوشوں کی بازیافت کی کوشش کی ہے۔ان افسانوں میں فاروقی نے سماجی جدلیت کو پیش کیا ہے۔فاروقی نے اپنے افسانوں کے کرداروں کے ذریعے ہماری ثقافتی تاریخ کے مرقعے ،معاشرتی حقائق ،اس دور کی ادبی تہذیب کو پیش کیا ہے۔عہد غالب ،میر اور مصحفی کے عہد کی لسانی تہذیب کو شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے افسانوں میں بطورِ خاص پیش کیا ہے۔ان افسانوں کی ایک بڑی خصوصیت فاروقی کی انشا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروق نے عہد میر، مصحفی اور غالب میں جا کر یہ نثر لکھی ہے۔عہد میر، مصحفی ،غالب ،اقبال اور پرانی دلی میں کون سی زبان بولی جاتی تھی۔اس وقت انشا لکھنے کا کون سا طریقہ مروج تھا اس کا پورا خیال رکھا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے افسانوں کے لیے اس عہد کی زبان کا ہی انتخاب کیوں کیا جس کا وہ ذکر کر رہے تھے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کو اس طرح کے افسانے لکھنے کی تحریک کہاں سے ملی اس کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ’’جس کتاب نے خالص افسانوی تکنیک کے لحاظ زمانہ ءنوجوانی میں میرے ذہن پر گہرا اثر قائم کیا تھا وہ کلکتہ میں متولد مشہور انگریز ناول نگار ولیم میک پیس تھیکری کا تاریخی ناول The history Of Henry Esmond تھا۔ناول کے واقعات اٹھارھویں صدی میں پیش آتے ہیں،اور اس کی زبان بھی سراسر اٹھارویں صدی کی ہے۔ کیا لہجہ ، کیا محاورہ، کیا جملوں کا آہنگ، کسی شے سے گمان نہ ہوتا تھا کہ یہ ناول اٹھارویں صدی کے نصف اول کی تصنیف نہیں تھی۔۔۔۔۔۔ تھیکری نے اس ناول کے دیباچے میں ایک بات کہی تھی جو میرے دل کو بہت لگی۔اس نے کہا کہ اس ناول کے ذریعے میں تاریخ کو ہیروؤں کی داستان کے بجائے مانوس کہانی بنانا چاہتا ہوں۔’غالب افسانہ‘ اور اس کے بعد کے بھی سب افسانوں میں تھیکری کا ناول اور اس کی باتیں مہرباں دوست کی طرح میرے رفیق ورقیب رہیں۔‘‘(۱)

شمس الرحمٰن فاروقی کی کتاب میں شامل ’’غالب افسانہ ‘‘۱۹۹۸ء،لاہور کا ایک قلعہ ۱۹۹۸ء، سوار ۱۹۹۸ء،ان صحبتوں میں آخر ۱۹۹۹ء اور آفتاب زمیں ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا ہے۔ان افسانوں کی زبان، لہجہ ،جملوں کا آہنگ، محاورات کا استعمال کسی شے سے یہ گمان نہیں ہوتا کہ یہ افسانے شمس الرحمٰن فاروقی نے اس عہد میں لکھے ہیں۔ان افسانوں کی زبان اور لکھنے کا انداز ،جملوں کا آہنگ

وہی ہے جو میر، غالب اور مصحفی کے عہد میں تھا۔ان افسانوں میں لاہور کا ایک قلعہ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی کہا ہے۔یہ افسانہ شمس الرحمٰن فاروقی کے ایک خواب پر مشتمل ہے۔جب انھوں نے ''لاہور کا ایک قلعہ'' لکھا جس میں انھوں نے اقبال کے عہد کو دکھایا ہے تو اس کو انھوں نے اس نثر میں لکھا جو عہد اقبال میں لکھی جاتی تھی کیونکہ اس وقت تک فارسیت کا زور کم ہو چکا تھا۔

اس لیے اس افسانے کی زبان بھی آسان ہے۔اس افسانے سے یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

> خدا کا شکر ہے کہ اندر آنے کی ہمت ان بدمعاشوں کو نہ ہوئی۔پھاٹک تو کھلا ہی ہوا تھا۔
> لیکن وہ پھاٹک کے کھمبے کے پاس آ کر یوں رک گئے جیسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔''(۲)

یعنی یہ افسانہ جو شمس الرحمٰن فاروقی نے اس افسانے کو عام فہم زبان میں لکھا ہے مثلاً :

> اندرونی سڑک drive way پر سرمئی رنگ کی ایک پرانی آسٹن اے چالیس کھڑی
> تھی۔علامہ کی تو نہ ہوگی، کیونکہ میں نے کہیں سے سنا تھا کہ ان کے پاس ان دنوں ایک
> بڑی فورڈ تھی۔''(۳)

'غالب افسانہ' میں انیسویں صدی کی چھٹی دہائی کا دور دکھایا۔تقریباً ۱۸۶۰ سے ۱۸۶۹ء تک کا زمانہ دکھایا ہے۔اس لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے اس افسانے کو اس نثر میں لکھا ہے جو غالب کے خطوط کی نثر تھی جس میں فارسیت کو بھی دخل تھا۔یہ افسانہ چونکہ غالب اور اس کے عہد کو پیش کرتا ہے۔تو یہ بات ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس کے لیے نثر بھی وہ ہی لکھی جاتی جو اس وقت مروج تھی نہیں تو غالب کے متعلق سارے بیانیے اجنبی معلوم ہوتے۔شمس الرحمٰن فاروقی نے کوشش کی ہے کہ وہ اس گفتار کی جھلک بھی ہمیں دکھائیں جو اس وقت لوگ وہاں بولتے تھے۔کچھ کرداروں کے مکالمے ملاحظہ کریں:

> ''لو بھئی میاں رسوا، تم مرزا کا نام بہت جپتے رہتے ہو۔تم بھی کیا یاد کرو گے میں نے مرزا کا مکمل کلام
> منطبع کیا ہے۔''(غالب افسانہ ص ۴۱)

> ''حضور راجپوت ہوں برت بھی دوآتشہ ناب سے کھولتا ہوں۔''(غالب افسانہ ص ۴۱)

رسوا: ''ملتمس ہوں کہ حضور ان مجلدات کو اپنے دستخط سے مزین فرمادیں میں انھیں نذر دوستاں کروں گا۔''(غالب افسانہ ص ۴۸)

ایک جگہ غالب کے منہ سے شمس الرحمٰن فاروقی کے منہ سے یہ مکالمہ کہلایا ہے:

''فارسی زبان کے رموز و غوامض میری روح میں یوں پیوست ہیں جیسے فولاد میں
جوہر یا رگِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم۔''(۴)

اس کتاب کا افسانہ ''سوار''، ''ان صحبتوں میں آخر اور آفتاب زمیں ان کے یہ تین افسانے عہد میر و مصحفی سے متعلق ہیں۔ عہدِ میر و مصحفی میں جو نثر لکھنے کے لیے مروج تھی وہ فارسی کے زیرِ اثر تھی۔ اس لیے ان تین افسانوں میں جو نثر لکھی گئی ہے اس میں فارسی اور عربی کے اثرات دکھانا ضروری تھا۔ ''سوار'' افسانے کا مرکزی کردار خیر الدین جو کے دلی میں رہتا ہے۔ اس عہد میں بھی عربی اور فارسی آمیز اردو لکھنے کا رواج موجود تھا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس افسانے کو بھی لکھتے ہوئے لسانی تہذیب کا خیال رکھا ہے۔

اس افسانے کے کردار مولوی خیر الدین کا ایک مکالمہ ملاحظہ کریں:

''چند مہینے اور نکل گئے۔ میں اس میش گم کردہ راہ کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ جو
قوتِ لایموت کے لیے ادھر ادھر بھٹکتی پھرتی ہے اور امید کرتی ہے کہ گرگ درندہ
کے آلینے سے پہلے اسے گھر کا راستہ بھی مل جائے گا۔''(۵)

''تنومند پہاڑی سائیس کو ایک نہایت خوبصورت ابلق کی راس تھامے ہوئے دیکھا۔
اس قدر تیاری کا رہوار یا تو آج دیکھا تھا یا پھر سوار دولت جاوید کے زیر ران۔ میں ایک
لمحے کے لیے ٹھٹھک گیا۔ اللہ خیر کرے، سوار دولت جاوید کا خیال میرے لیے اکثر
سرود بہ مستاں یاد دہانیدن کے مصداق ہو جاتا تھا۔''(۶)

انھوں نے اسی نیم تبسم سے فرمایا قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، تشریف رکھیں۔(سوار)

سوار: ''ایک بار میرے بچپن میں مکمل کسوف الشمس واقع ہوا تھا۔ اس وقت کا سماں اور آج کی شام کا منظر، دونوں بالکل ایک سے تھے۔''(سوار ص۷۵)

''ان صحبتوں میں آخر'' افسانہ میر کے عہد کا ہے اس افسانے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے دلی کی لسانی تہذیب دکھائی ہے۔ ان صحبتوں میں آخر میں شمس الرحمٰن فاروقی نے رنگین نثر کے زیادہ نمونے پیش کئے ہیں۔ ساتھ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ وہ اپنے کرداروں کے منہ سے ایسے مکالمے کہلوائیں جو اس وقت کے عوام الناس کی لسانی شان تھی۔ دلی شہر

کے اندر رہنے والے لوگ کس کس طرح کی زبان بولتے تھے۔ان کا اندازِ تکلم کیا تھا۔ان صحبتوں میں آخر میں میر نے جب گلی کے ایک لونڈے کو نور السعادۃ کے لیے خط دے کر بھیجا تو خط کا جواب آنے کی بے صبری اور بے چین ہو کہتا ہے:

''ابے میرا خط تو کہاں اور کسے دے آیا۔

''قرآن قسم میر صاحب، میں آپ کا خط بس بالکل وئیں دے آیا جہاں آپ فرمائے تھے۔زواب نئیں ملا کیا؟

''چاہو تو اپنا پیسہ واپس لے لو۔نئیں تو کہو اپنے خان پھر دوڑ کر چلے جاویں،زواب لے ہی کر پھریں۔''

میر کو ہنسی آجاتی،لاحول ولا قوۃ، میں بھی کیا باولا ہو رہا ہوں۔۔۔۔۔یہ میں کیا بول گیا۔یہ اندرونِ سفیل والے میری زبان ہی خراب کر دیں گے۔''(۷)

ایک اور جگہ میر کا یہ مکالمہ ملاحظہ کریں:

میر:''عالی جاہ،اس دربار میں طلبی کے انبساط نے کل رات دل گرفتہ کو وا کر دیا تو یہ رباعی موزوں ہوئی۔''(۸)

ان کا افسانہ ''آفتابِ زمیں'' مصحفی کے عہد سے متعلق ہے۔جس میں مصحفی حیات النساء عرف بھورا بیگم زوجہ مصحفی کا تعلق بھی لکھنؤ سے ہے اور درباری مل وفا کا تعلق بھی لکھنؤ سے ہے جو اپنے دادا استاد مصحفی پر کتاب لکھنا چاہتا ہے۔جس سلسلے میں وہ بھورا بیگم سے ملتا ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے کرداروں کی زبان سے جو مکالمے کہلوائے ہیں۔وہاں کے عوام الناس کی لسانی شان کا پتہ دیتے ہیں اور لکھنؤ کی لسانی تہذیب کو بھی پیش کرتے ہیں:

درباری مل وفا:''سلارو میاں بھی دیدے پٹم کر کے اپنی کوٹھری میں پڑ گئے تھے۔''(آفتاب زمیں ص ۲۴۴)

بھورا بیگم:''میاں صاحب آپ جگ جگ جیں۔ضرور قدم رنجہ فرماتے رہیں۔بندی پر کرم ہوگا۔''(آفتاب زمیں ص ۲۴۴)

بھورا بیگم:''دن بھر آپ کی راہ دیکھا کی۔لیکن آپ نے تو عید اپنے ہوتوں سوتوں میں گزار دی۔میں کون لگتی ہوں آپ کی۔''(آفتاب زمیں ص ۲۶۲)

مصحفی:''افوہ بھئی بھورا بیگم، کنارہ بوس میں روزہ نہ ٹوٹ جاوے گا۔''(آفتابِ زمیں ص ۲۵۴)

مصحفی:''یہ احمقان کوچہء کوتاہ بیناں اتنی سی بات نہیں جانتے۔(آفتاب زمیں ص ۲۶۸)

اس طرح بھورا بیگم جب درباری مل وفا سے گفتگو کرتی ہے تو وہ کہتا ہے ان کی زبان میں تو پورب کا لوچ لہریں لے رہا ہے۔گفتگو ملاحظہ کریں:

"میاں صاحب زادے، آپ نے تشریف آوری کی زحمت کی، یہی بہت تھا۔اس
پر اتنے تکلفات کی کیا ضرورت تھی۔ میں توآپ کی تقویم کا کچھ بھی بندوبست نہ
کر سکوں ہوں۔"(۹)

ان تمام افسانوں کے کرداروں کی زبان سے باخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ لکھنؤ کے اندر رہنے والے لوگ کس کس طرح کی زبان بولتے تھے۔ان کا لب ولہجہ کیا تھا۔اپنے مکالموں اور انداز گفتگو سے یہ کردار باخوبی پہچانے جا سکتے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی اگر وہ غالب، میر اور مصحفی کے بارے میں افسانے آج کے دور کی مروجہ نثر میں لکھتے تو ان کے یہ کردار اور ان کے منہ سے ادا ہونے والے مکالمے غیر مانوس لگتے۔ یہ افسانے ہمیں اردوئے معلٰی کا وہ شعور بخشتے ہیں جو ہماری لسانی تہذیب کا حصہ رہی ہے۔ جس پر ہماری لسانی تاریخ ہمیشہ ناز کرے گی۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے ان افسانوں میں دلی کی لسانی تہذیب اور لکھنؤ کی لسانی تہذیب کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں۔ محمد منصور عالم شمس الرحمٰن فاروقی کے ان افسانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دلی اور لکھنؤ کی تہذیب پر مبنی ان افسانوں میں افسانہ نگار نے یہ تاثر بھی قائم کیا ہے۔
نزاکت اور تکلف کچھ لکھنؤ سے ہی مخصوص نہیں ہے، یہ چیزیں دہلی میں بھی تھیں،
دہلوی نثر میں وہ آورد اور قصد نہ تھا جو "فسانہ عجائب" میں ہے تو وہ سادگی اور بے
ساختگی بھی نہ تھی جو "باغ و بہار" میں ہے۔اسی طرح لکھنوی نثر میں اگر سادگی
اور بے ساختگی نہ تھی تو وہ آورد و تصنع بھی نہ تھا جو سبک ہندی کی طرح اس سے چپکا
دیا گیا ہے یعنی اس وقت زبان اردوئے معلٰی فارسی آمیز خواص پسند دلی اور لکھنؤ دونوں
جگہوں میں تھی۔"(۱۰)

شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے ان افسانوں میں دلی اور لکھنؤ کی لسانی تہذیب دکھائی اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح کی رنگین نثر لکھنے کا رواج اس وقت موجود تھا۔ان صحبتوں میں آخر عہد میر کا ذکر اس افسانے میں ملتا ہے اس سے ایک مثال ملاحظہ کریں:

کیا پہناوا کیا لب ولہجہ، کیا آواز، کیا نگاہ غلط انداز کی خفیف سی چشمک، کیا چال ڈھال
کیا طرزِ نشست و برخواست، لبیبہ خانم کی بوٹی بوٹی روئیں روئیں سے تمنا اور لگاوٹ
ترادش کرتی تھی۔اس کی ایک جھلک بھی دیکھ لینے والوں کو گمان گزرتا، اور بہت جلد

یہ گماں عقیدے اور یقینِ محکم میں بدل جاتا کہ بس ذرا سی کوشش کی دیر ہے، یہ مرغ
بہشتی میرے ہی دام میں آئے گا، واللہ اس کی آنکھیں کہے دیتی ہیں کہ ہم تمھارے منتظر
ہیں ایک بوے گل ہے جس کی سلسلہ جنبانی کوئی نسیم دلی کرتی ہے۔ یہ ایسا چمن ہے جس
میں ہر ایک کی آمد و شد نہیں، لیکن میرے لیے اس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔" (۱۱)

آفتاب زمیں میں عہدِ مصحفی کا بیان ملتا ہے۔ اس افسانے میں لکھنوی نثر کے نمونے شمس الرحمٰن فاروقی نے پیش کیے ہیں۔ درباری وفامل نے اپنے باپ کے مرنے کا واقعہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے اس دور کی لسانی تہذیب کی ایک جھلک دکھاتا ہے کہ اس وقت کلام کرنے کا کیا انداز تھا اور نثر لکھنے کا کیا انداز تھا اردو میں کس طرح کے الفاظ لکھے جاتے تھے۔ اس سے اقتباس یہ ہے:

"لیکن اس دن اور اس وقت خدا جانے کس ظالم کو شیطنت سوجھی کہ ایک ہاتھی
چنگھاڑ روشن کر کے اس نے میرے والد کے صبا رفتار کے بالکل قدموں میں توڑ ال
دیا۔ زور کا دھماکا ہوا۔ اصیل گھوڑا نازک مزاج، بے اختیار الف ہوا۔ والد مرحوم نے
ران باگ بنائے رکھنے اور پٹری جمائے رکھنے کی ہزار کوشش کی لیکن فرس بے لگام ہو
چکا تھا۔" (۱۲)

ایک تو اس دور میں اردو پر فارسی زبان کے اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ دوسرا ان صحبتوں میں آخر کے دو کردار لبیبہ خانم اور نور السعادۃ کا تعلق ایران سے تھا۔ اس لیے ان دونوں کرداروں کی زبان سے ادا ہونے والے بہت سے جملے فارسی میں ہیں۔

"اہلاً وسہلاً، اے آمدنت باعث دل شادی ما۔" وہ بولی تو لگا کہیں پردے کے پیچھے
ہلکے بلمپت جل ترنگ بج رہا ہے" (۱۳)

شمس الرحمٰن فاروقی اپنی لسانی تہذیب سے واقفیت رکھتے تھے۔ ان کی عمیق نگاہی نے کلاسک نثر کے تمام رموز سے آگاہی حاصل کر لی تھی۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے پرانے الفاظ کے معنوں سے آگاہ تھے۔ وہ ان کے محل استعمال کا سلیقہ جانتے تھے۔ شمس الرحمٰن فاروقی اس لسانی ورثے سے واقف تھے اور ان کو اپنی تحریر میں برتنے کا گر بھی جانتے تھے۔ بہت سے ایسے الفاظ جو کے اب متروک ہو چکے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس الفاظ کے ورثے سے نئی نسل کو آگاہ کیا۔ مثلاً

ان الفاظ نے میر کی بے صبری مضاعف کر دی۔ (ان صحبتوں میں آخر)

بشرطِ وفاداری تم ہمیں بھی اپنا پیش بان پاؤ گے۔(ان صحبتوں میں آخر)

آپ کا بلاواوہ جنبش داماں ہے جس نے میری خاکستر کو پھر سے روشن کر دیا

بندہ آپ کی کرم گستری کے لیے دل سے ثناخواں ہے۔(ان صحبتوں میں آخر)

سب کی آنکھیں تمھاری معاودت پر لگی ہیں۔(آفتاب زمیں)

بھائی مرحوم کی جادادادور دکان سے جو نفع ہوااس کی پائی پائی کا حساب موجود ہے۔حساب کتاب کے کواغذ میرے حوالے کیے۔

میرے گیلاس اور نقل منگوائی(غالب افسانہ)

کیونکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس میر، مصحفی اور غالب کے عہد کی نثر لکھی ہے۔اس لیے انھوں نے الفاظ کو اس طرح ہی لکھا جس طرح اس دور میں لکھنے کا رواج تھا۔اس کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی نے مختلف آلات وضرب کا ذکر کیا ہے جو اس دور میں استعمال ہوتے تھے۔شمس الرحمٰن فاروقی کی معلومات اس معاملے بھی بہت وسیع ہے۔کچھ مثالیں ملاحظہ کریں۔

یہ نیچہ حاضر ہے اسے میرے سینے میں اتار دیجیے۔(غالب افسانہ)

”اول اول تو وہ قدیم انداز کے تیغے،جمدھر،اور شیر پنجے ہی بناتے تھے۔انھوں
طرح طرح کی قرابینیں،دگاڑے اور لمچھڑ بھی بنانے شروع کر دیا ہے۔“(۱۴)

آلاتِ موسیقی،راگ کے نام،کپڑوں کے نام،طب ودینیات کی اصطلاحیں اور گھروں کے اندر مختلف کمروں کے لیے اس وقت کیا اصطلاحیں استعمال ہوتی تھیں۔شمس الرحمٰن فاروقی ان تمام چیزوں کے بارے میں وسیع علم اور گہرا مشاہدہ رکھتے۔انھوں نے اپنے ان افسانوں میں اس دور میں استعمال ہونے والے تمام لباس کے نام گنوائے ہیں جو اس وقت پہنے جاتے تھے۔اس تمام زیورات کی تفصیل بتائی ہے۔جو اس دور میں استعمال ہوتے تھے۔گھروں میں استعمال ہونے والے ہر ایک فرنیچر کی تفصیل بیان کی ہے۔کچھ مثالیں یہ ہیں:

کوئی ڈیوڑھی یا سہ دری(۲۴۲افسانہ آفتاب زمیں)ایک چھوٹی سی انگنائی،اس کے ایک طرف جائے ضرور،(آفتابِ زمیں)

جائے ضرور کے ساتھ چھوٹا سا آبدار خانہ تھا(آفتابِ زمیں)

حلال خورنی،بہشتی(آفتابِ زمیں)

ان افسانوں میں ہمیں بہت سے ایسے الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے جو اب متروک ہو چکے ہیں لیکن اس وقت مستعمل تھے اس وجہ سے ان کا استعمال ہمیں فاروقی کے ان افسانوں میں ملتا ہے۔اس کے علاوہ فارسی اور عربی الفاظ کا استعمال ان افسانوں میں زیادہ نظر آتا اس کی بڑی وجہ بھی یہ ہی کہ اس عہد میں جو نثر لکھی جاتی تھی ان میں ان الفاظ کا استعمال ہوتا تھا اس لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے ان کا استعمال کیا ہے۔رکھتے ہیں لیکن اس تخلیقی شعور کے تجزیے اور ثقافتی تاریخ کو فکشن کے روپ میں اس جامعیت کے ساتھ نہیں پیش کیا گیا۔یہ فاروقی کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اس کے بارے میں محمد منصور عالم لکھتے ہیں:

> ’’زندگی اور تہذیب کے مختلف شعبوں کی اصطلاحوں سے واقفیت کے بغیر کسی تخلیقی شاہکار سے کہاں تک مسرت و بصیرت حاصل کی جاسکتی ہے؟ یہ کہہ کر بات کو مت کاٹئے کہ فاروقی کو تو متروکات کے استعمال کا چسکا ہے، نہیں انھوں نے کلاسیکی شاعری، لغات، تہذیبی آثار، تاریخ اردوئے معلیٰ اور ادب العجم والہند کے وسیع مطالعے، یادداشت اور حاضر دماغی سے لسانی عقدہ کھولنے کا بڑا نادر و نازک کام لیا ہے۔منتخب لفظ، ترکیب، اصطلاح ور قول، ان افسانوں میں حسن آفرینی کے موثر ذرائع ہیں۔‘‘(۱۵)

شمس الرحمٰن فاروقی کے پاس الفاظ کا ایک بڑا خزانہ موجود تھا۔ شمس الرحمٰن فاروقی کلاسک نثر سے بھی گیری واقفیت رکھتے تھے۔اردوئے معلیٰ اور دلی اور لکھنؤ کی لسانی نثر کے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے۔اس دور میں کون سا لفظ کن معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔اس دور میں کون سے محاورات کا استعمال کیا جاتا تھا۔اس دور میں دلی اور لکھنؤ کے عوام الناس کی لسانی شان کی تھی۔

اس لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے صرف ان کرداروں کے متعلق یا اس عہد کی سماجی سیاسی اور معاشرتی تاریخ ہی مہیا نہیں کی۔ بلکہ اس دور کی تاریخ، تہذیب و ثقافت کو فکشن کے روپ میں جس جامعیت کے ساتھ شمس الرحمٰن فاروقی نے پیش کیا ہے۔اس کی مثال اس سے پہلے کہیں نہیں ملتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے ان افسانوں میں کلاسک نثر کے الفاظ جس انداز سے کھپے ہیں۔ کوئی لفظ بھیگانا نہیں لگتا۔اتنے خوبصورت الفاظ کا استعمال دیکھ کر لگتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی کے پاس الفاظ کا ایسا خزانہ موجود ہے جس میں رنگ برنگے نگینے بھرے پڑے ہیں۔وہ کسی جوہری کی طرح ان نگینوں کی پرکھ کا شعور رکھتے ہیں۔وہ جانتے ہیں کے کس نگینے کو کہاں جڑھنا ہے۔جہاں اس کی خوبصورتی دوبالا ہو جائے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے شعوری طور پر یہ کوشش

کی ہے کہ وہ ان افسانوں کو میر، مصحفی اور غالب کے عہد میں جا کر لکھیں۔ تا کہ ان شخصیات کے بارے میں لکھے گئے بیانیے اجنبی معلوم نہ ہوں۔ شمس الرحمٰن فاروقی اپنی اس کاوش میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان افسانوں کا لہجہ، محاورات کا استعمال، جملوں کا آہنگ، کسی شے سے یہ گماں نہیں ہوتا کہ افسانے میر، مصحفی، اور غالب کے عہد کے نہیں ہیں۔

References

1. Shams-ur-Rehman Farooqi,sawar aur,doosre afsane,Debacha,shab khoon kitab ghar ,Allahabad,2003,p22

2.//,Lahore ka ik kila,page336

3.//,Lahore ka ik kila,page337

4.//Ghalib afsana,page49

5.//sawar,page83

6.//sawar,page83

7.//In subatton meh akhir,page183

8.//In subatton meh akhir.page171

9.//aftab-e-zameen,page246

10.Mohammad Mansoor Alam ,harir-e- do rang,rana kitab ghar,new,delhi,2005,page.193

11.In subatton menh akhir ,page121

12.Aftab-e.zameen ,page,234

13.In subatton menh,akhir,page141

14.Ghalib afsana,page,32

15. Mohammad Mansoor Alam ,harir-e- do rang,rana kitab ghar,new,delhi,2005,page.193